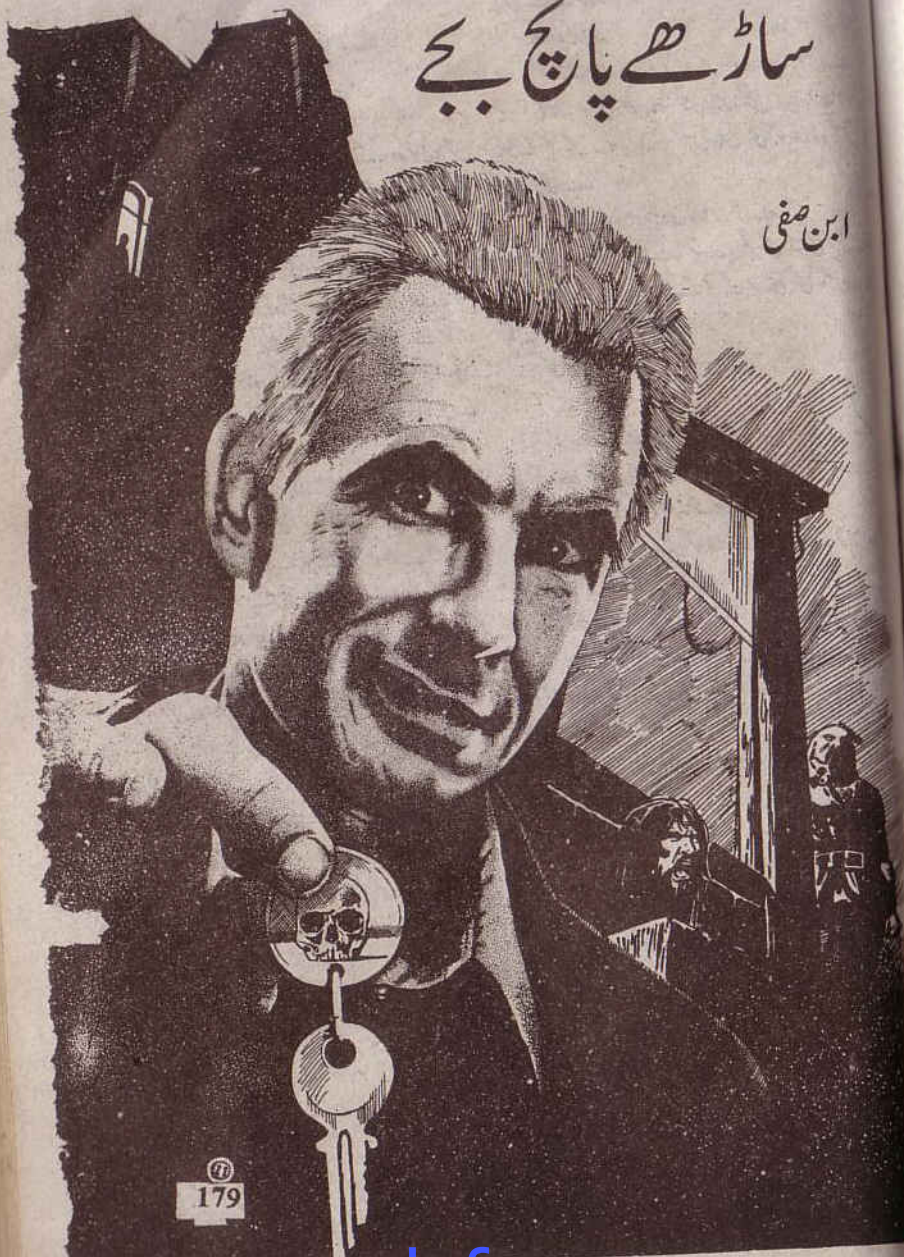


# ساڑھے پانچ بجے

ابن صفی





## شکرال کے جیالے

یہاں سے چلے جاؤ۔  
بھلا وہ یوں۔

”ہوشنگ برابر والے کڑک میں موجود ہے۔ اس سے لیر آج تک میری نظر سے نہیں گزرا لیکن تم یہ بات بھول جاؤ گے کہ میں نے یہ بات تمہیں بتائی تھی کیونکہ وہ بہت سردار بھی ہے۔“

”ہوشنگ ہی تو میوٹیوں کا تاجر بھی ہے۔“  
”ہے تو لیکن لیر اب۔ تم سے رقم بھی کھڑی کرے اور راستے ہی میں اس کے کرگے تم سے میوٹی بھی چھین جائیں گے۔ اور شاید تم تنہا بھی ہو۔“  
”نی الحال.....!“  
”کتنے ساتھی ہیں!“

”نہ جانے کتنے ہی ساتھی یہیں پیدا ہو جائیں گے ہوشنگ سے ایک پرانا حساب بھی چکاتا ہے۔“

”اوہو۔ تم تو واقعی خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔“  
”تو ہوشنگ کڑک میں موجود ہے۔ ذرا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔“  
”مگر میرا نام نہ آنے پائے۔“  
”سوال ہی پیدا انہوں ہوتا۔“

”سب سے مخفی سفید مونچھوں والا جس کے چہرے ہندو تہی موجود ہوں گے۔ اس وقت شاید جو اکیلے رہا ہے کوئی انٹری پھنس گیا ہے۔“

”آہ۔ جواری بھی ہے۔“  
”بچوں کے کھیل کا ماہر ہے۔ اس سے کوئی پار نہیں ا سکتا۔“

”اچھا دوست بہت بہت شکریہ، یہ دو نکلیاں اور رکھو بطور اظہار دوستی؟“

”گھڑنگ کا نام اونچا رہے۔ مگر دوست تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔“

”روشن کہتے ہیں لوگ مجھے۔“  
”واقعی تمہاری آنکھیں بہت روشن ہیں۔ مجھے تو کئی بڑے سردار لگتے ہو۔“

”نہیں میں بہت معمولی آدمی ہوں۔“  
وہ حجام کی دوکان سے نکل کر کڑک میں داخل ہوا اور بھر کے لئے ایسا لگا جیسے وہاں سناٹا چھا گیا ہو۔

بلند و بالا آدمی تھا۔ دروازے کے قریب ہی کڑک کے گرد

جیسے ہی اس کا گھوڑا گلی میں داخل ہوا باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے لوگ بھی کڑک میں داخل ہو گئے۔ وہ کوئی اجنبی تھا لیکن اس کے تیز راہیں اچھے نہیں لگے تھے۔ اس کے جسم پر بہت پرانا چڑی لباس تھا اور دونوں ہولسٹروں میں اعشاریہ چار پانچ کے ریوالور دور سے بھی دیکھے جاسکتے تھے۔ اس نے گھوڑا گلی میں باندھ دیا اور کڑک میں داخل ہونے کی بجائے حجام کی دوکان میں گھس گیا۔ یہاں کچھ لوگ پہلے ہی سے موجود تھے، جن میں اس کی موجودگی سے خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ حجام بھی کئی قدر زور سے نظر آنے لگا۔ لیکن اجنبی اپنی باری کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

”ہوشنگ تم یہاں کے نہیں ہو۔“  
”میں گھڑنگ سے آیا ہوں۔“  
”آپ۔“  
”جو اس مت کرو۔ میں بہت گنہگار آدمی ہوں۔“  
حجام خاموش ہو گیا۔ جب سارے لوگ رخصت ہو گئے تو حجام اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”میں خط بنا دوں۔“

حجام نے چپ چاپ قہقہے کی اور خط بنا کر اس سے تین کالی نکلیاں وصول کیں جو اس کے معاوضے سے کہیں زیادہ تھیں۔ اس نے بڑی فریادیں سے شکریہ ادا کیا۔

”یہاں ہمارے مہمان ہو۔“  
”نہیں۔ لیکن کہیں نہ کہیں قیام ضرور کروں گا۔“

”میوٹی خریدنے آئے ہو؟“  
”چلو بھی سمجھ لو۔“  
”خاصی رقم بھی ساتھ ہوگی۔“

”تم نے اندازہ نہیں لگایا کہ میں نے ایک کی بجائے چھ تین کالی نکلیاں دی ہیں۔“

”گھڑنگ کے لوگوں پر غافانہ کا سایہ ہے۔ رب عظیم کی عنایت ہے۔“

”تم بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اب یہ بھی بتا دو کہ مجھے کہاں قیام کرنا چاہئے۔“

”میں تو تم سے یہ کہنے والا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو۔“

”میں موجود تھا۔ اور ہوشنگ کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن وہ خود کسی پر بھی خصوصی توجہ دینے بغیر میرے کڑک تک پہنچا اور تھال کا ایک گلاس طلب کیا۔“

”خوش آمدید!“  
”میرے کڑک نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا اور کاکٹر کے پاس ہی اس کے لئے ایک مونڈھا دلوایا۔“

تھال کا گلاس اسے پیش کیا گیا۔ تھال شکرال کے علاقے کی خاص قسم کی شراب تھی۔ جو کالے دانے سے بنائی جاتی تھی۔

”کہیں باہر سے آرہے ہو؟“  
”میرے کڑک نے پوچھا۔“

”گھڑنگ سے۔“  
”رب عظیم کا نام اونچا رہے۔“  
”میرے کڑک نے کہا اور

”رب عظیم کا نام اونچا رہے۔“  
”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور

”میرے کڑک نے کہا اور







”ہرگز نہیں۔ پہلے ہی کی طرح خوش و خرم دھائی دیتا ہے۔“

تانیہ اسے کھانا کھا کر برتن سمیٹ لے گئی۔ اور وہ کچھ دیر بعد لیٹ گیا۔ شمع نہیں بجھائی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے سر ہانے والی کھڑکی پر کوئی بولے بولے دستک دے رہا ہو۔ روشن اٹھ بیٹھا اٹھنے کے نیچے سے ایک رپو اور نکالا اور کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا اور جیسے ہی قریب پہنچا دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں ایک درخت کی شاخ سے لٹکا ہوا ہوں سردار۔ کھڑکی کھول دو۔ میں وہی ہوں جس کی جان تم نے کڑک میں بچائی تھی۔“

روشن کھڑکی کھول کر تیزی سے بائیں جانب پٹائی تھا کہ کوئی کھڑکی سے اندر کود آیا۔ ساتھ ہی پلٹ کر پھر تیزی سے کھڑکی بند کر دی اور آہستہ سے بولا۔ ”جمع کل کرو سردار۔“ روشن نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہی تھا۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ وہ یہاں کیوں چلا آیا تھا۔ جان بچا کر بھاگ کر کیوں نہیں گیا۔ اس نے شمع گل کر دی۔ اور نووارد بولا۔ ”میرا نام نیرنگ ہے۔ میں اس وقت سے انہی اطراف میں منڈلا رہا ہوں اور میں نے بہت کچھ سنا ہے۔ وہ آج رات ہی کو جہیں ختم کر دینے کی کوشش کریں گے۔ تم شاید اپنے کسی ساتھی کا پتہ لگانے آئے ہو جو کچھ دن قبل یہاں جانور خریدنے آیا تھا۔“

”ہاں۔ بات تو سنی ہے۔“  
”ہو شک اپنے کچھ آدمیوں کو باغ میں ہدایت دے رہا تھا۔ رات کے تیسرے پہر وہ کسی نہ کسی طرح کمرے میں داخل ہو کر تہہ دار افتادہ کر دیں گے۔“  
”شکر ہے!“ روشن سر ہلا کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں گا۔“  
”اس کے باوجود بھی اتنی مختصر سی جگہ میں اپنا تحفظ نہیں کر سکو گے۔ کھلی جگہ کی بات ہی اور ہے۔“

”تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔“  
”اس کھڑکی سے میرے ساتھ باہر نکل چلو۔ درخت کی شاخ مضبوط ہے۔“

روشن کو اس کی یہ تجویز پسند آئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی تیاری کی اور اسی کھڑکی سے درخت کی شاخ پر اتر گیا۔ نیرنگ اس کی رہنمائی کو آگے ہی آگے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک درخت ہی پر رہے۔ پھر جیسے ہی چٹائی منزل کی کچھ اور کھڑکیاں تاریک ہوئیں وہ نیچے اتر آئے۔

”گھوڑا کیسے کھولا جائے؟“ روشن بولا۔  
”فی الحال گھوڑے کی فکر نہ کرو۔ پہلے کسی محفوظ جگہ پر بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کی رات بہت اہم ہے۔“

روشن اس کے ساتھ چل پڑا۔ نیرنگ اسے اس جگہ لایا جہاں ہو شک کے جانوروں کے باڑے تھے۔ بڑی توانا اور تند رست گاؤں تھیں۔

نیرنگ نے کہا۔ ”ہماری پہلی کارروائی یہ ہوگی کہ ہم ان باڑوں کی اس رخ کی بلایاں نکال دیں جو ہو شک کی عمارت کی طرف ہیں۔“

”خوفناک منصوبہ ہے۔“ روشن نے کہا۔  
”میں اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لینے آیا ہوں۔“ نیرنگ نے کہا۔ ”بس ایک ذرا سی فطرتی ہو گئی تھی جس کی بنا پر مارا گیا ہوتا۔ مگر تم نے میری جان بچائی۔“  
”اوہ! اسے بھول جاؤ۔“ روشن نے کہا۔

دونوں نے مل کر باڑے کی مذکورہ رکاوٹیں ہٹا دیں۔ اور نیرنگ نے کہا۔ ”اب اس درخت پر چڑھ چلو۔“

روشن متحیرانہ انداز میں اس کی ہدایت پر عمل کرتا رہا۔ درخت کے اوپر پہنچ کر نیرنگ نے اپنے جھولے سے ایک گولا نکالا اور اسے چھتاق کی چنگاریاں دکھائیں۔ گولے نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ نیرنگ نے وہ جتا ہوا گولا جانوروں کے باڑے پر پھینک مارا۔ بس پھر کیا تھا قیامت آگئی۔ اس نے یکے بعد دیگرے ایسے ہی تین گولے اور پھینکے۔ جانوروں میں بھگدڑ پڑ گئی اور ان کا رخ ہو شک کی عمارت ہی کی طرف تھا۔ ذرا ہی دیر میں آدمیوں کے بیچنے کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ اور روشن نے نیرنگ سے کہا۔ ”بھئی کمال کے آدمی ہو۔“

”میں سرخسائی سردار کا عیار ہوں۔ ہو شک جیسے لوگ میرے جوتے کی نوک پر رکھے رہتے ہیں۔ میں نے تمہاں کی بہتی کو سہارا کر دیا۔“

”مگر کچھ لوگ زندہ بچے تو دریافت حال کے لئے اوھر ضرور آئیں گے۔“ روشن نے کہا۔

”انہیں میری اور تمہاری گولیاں چاٹ جائیں گی۔“  
”فی الحال دیکھو کیا ہوتا ہے۔“

سارے باڑے خالی ہو گئے تھے اور دوڑتے ہوئے جانوروں کی سمون کی طوفانی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ اوھر جہاں یہ دونوں روپوش تھے تاریکی ہی کی عکاسی

روشن کا خیال تھا کہ کچھ دیر بعد کچھ سوار ہاتھوں میں لائے دریافت حال کے لئے جانوروں کے باڑے کی ضرورت آئیں گے۔ تو کیا سب روندے گئے۔ سب مر گئے یا ایسا ہے تو براہول ہی بہتی صرف ایک فرد کی وجہ سے ہو گئی تھی۔ سب ہو شک سے خائف تھے لہذا اجوہ چاہتا تھا کہ وہاں رہے۔

”کیا رات بھر ہم اسی درخت پر بیٹھے رہیں گے۔“ روشن نے کہا۔

”نیرنگ نے کہا۔“  
”ذرا دیر اور دیکھتے ہیں۔ پھر ایک محفوظ جگہ پر پہنچ کر کے سارا کار ہونے کا انتظار کریں گے۔“ نیرنگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ بھڑے ہوئے جانوروں نے بہتوں کو مارا ہوگا۔“ روشن نے کہا۔

”ان کا مقدر۔“ نیرنگ نے لا پر دہائی سے کہا۔ ”وہی تم زیارت گاہ سے تعلق رکھتے ہو۔ اس لئے یہ بھی سوچ لو گے کہ مرنے والوں میں کبھی گنہگار نہ رہے ہوں۔“

”ہاں! اچھے تو یہ سوچنا ہی پڑے گا۔“ روشن بولا۔  
نیرنگ صرف ہنس کر رہ گیا۔ روشن کو اس کی یہ ہنسی گندری تھی۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ

”اسے اترے۔ اب چاروں طرف قبرستان کا سا منظر تھا۔ نیرنگ اسے ساتھ لے کر ایک طرف چل پڑا۔ میرے میں بھی وہی طرح چل رہا تھا جیسے راستہ دیکھ رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک غار میں داخل ہوئے جس

کا کھانا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ صبح تک وہ اسی غار میں رہے۔  
نیرنگ نے اسی غار میں قیام کا انتظام پہلے ہی سے کر لیا۔ کیونکہ غار کے مختلف حصوں سے اس نے کھانے پینے کی اشیاء نکالیں اور ہو شک کھڑکیوں میں چھتاق سے آگ لگا دی۔

”اقتی اعلیٰ درجے کا عیار معلوم ہوتا تھا جیسے بھی ممکن تھا کہ اس کے سردار کی سرداری اسی کی وجہ سے قائم ہو۔  
اس کے وہ غار کے دہانے پر آکرے اور انہوں نے

کھڑکیوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایسے گھوڑے دکھائی دیے جن پر سارا سارا سامان لٹا ہوا تھا۔

”ہمیں انہیں پکڑنا ہے۔“ روشن آگے بڑھتا ہوا بولا۔  
”آخر ہمیں بھی تو کھوڑوں کی ضرورت ہوگی۔“  
”نیرنگ نے کہا۔“  
”نیرنگ اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔“  
”جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہم یہ دیکھیں گے ان کے عقب میں کیا ہے۔“

روشن اندر ہی اندر۔ تاؤ کھا کر رہ گیا۔ یہ نیرنگ تو اب عقل و دانش کا واحد کچھہ بن کر رہ گیا ہے۔ خود اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی۔ نیرنگ نے شاندار اس کی اس ذہنی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ لہذا جلدی سے بولا۔ ”تم لوگ سرد میدان ہو جہیں کیا چاہا کہ مکان کی کس چڑیا کا نام ہے۔ لہذا ہو شک کے معاملات میں زیادہ تر تکیہ ہی سوچئے دو۔“

ذرا ہی دیر میں نیرنگ کا قول کرسی نشین ہوا۔ پانچ گھوڑے اور دکھائی دیے جن پر سوار موجود تھے۔ روشن نے ہو شک کو صاف پکارا۔ اس کے علاوہ چار گے بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے بائیں ہاتھوں سے گھوڑوں کی بائیں سنبھال رکھی تھیں اور دائیں ہاتھوں میں راسٹھیں۔

”یا بھیجی یا بھیجیں۔“ نیرنگ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”ہمیں بھی راسٹھیں سنبھال لیں چاہیں کیونکہ ان سے ہمارا فاصلہ زیادہ ہی ہے۔“

”اوہو تو کیا بچے سے حملہ کرو گے۔“ روشن نے کہا۔  
”سردار! تم غار ہی میں بیٹھو۔ میں تمہاں خیشوں سے پیٹ لوں گا۔“  
”میں احباب فراموش نہیں ہوں، تمہیں تمہاں نہیں جانے دوں گا۔“ روشن نے کہا۔  
”ہم دونوں ایک دوسرے کے احسانات سے عہدہ بردار ہو چکے ہیں۔ کس کا کسی پر کوئی بھی احسان نہیں۔“ نیرنگ نے کہا اور چٹانوں کے اوپر ہی اسی جانب چلنے لگا۔ وہ بائیں ہاتھوں سے سوار گئے تھے۔ روشن بھلا کس طرح اس کا ساتھ چھوڑ سکتا تھا۔ وہ بھی راسٹھیں سنبھالنے اس کے پیچھے چلا رہا تھا۔ ایک جگہ نیرنگ رک گیا اور روشن کو بھی رکنے کا اشارہ کر کے آہستہ سے بولا۔ ”نیرنگ! تمہاں گھوڑوں سے اتر کر جھڑپوں میں چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے بہت پہلے یہ انتظام کر لیا تھا کہ بوقت ضرورت غلط راہ پر لگا کر مار لوں گا۔ سردار! روشن اسے یاد رکھو کہ اگر ان ہو شک چٹا تو پورے شکرال کے لئے خطرہ بن جائے گا۔“

185

www.urdufans.com



”میں سمجھتا ہوں۔“ روشن سر ہلا کر بولا۔ ”بہر حال میں تہہ دار اساتذہ دوں گا۔“

”بس تو پھر اب انہیں نکل جانے کا موقع نہ دو۔“

جہازوں میں چھپ جانے کے باوجود بھی وہ ہمیں یہاں سے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔“

پہلا فائر نیرنگ نے کیا تھا۔ پھر روشن کی رائفل بھی گولیاں اگلنے لگی۔ پانچوں بری طرح پوکھلا گئے تھے۔ اور پھر ایک ایک کر کے انہوں نے ڈھیر ہونا شروع کر دیا۔ نیرنگ کی گولی پیشانی ہی پر ٹیٹھتی تھی۔ ہوشک نے اپنے گھوڑے کی طرف دوڑ لگائی ہی تھی کہ روشن کی گولی اس کے پاؤں شانے پر لگی اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

اتنی بلندی سے تو یہی معلوم ہوتا تھا جیسے پیچھے پانچ لاشیں پڑی ہوں۔

”ہوش زندہ ہوگا۔“ روشن نے کہا۔ ”میں نے اس کے بائیں شانے کا نشانہ لیا تھا۔ دراصل مجھے اس سے کچھ پوچھنا بھی ہے۔“

”مجھے بھی کچھ پوچھنا ہے۔“ یہ تم نے اچھی خبر سنائی سردار روشن۔“

اور پھر وہ ڈھلان میں اتر رہے تھے کہ انہوں نے بے درپے دو فائروں کی آوازیں سنیں اور ہوشک کو چت ہوتے دیکھا۔ اس کے دایبے ہاتھ میں ریوالور تھا جس سے اس نے اپنی داہنی کینٹی پر لگا تار دو فائر کر کے تھے۔

”سب کچھ چھوٹ ہو گیا۔“ نیرنگ رکتا ہوا بولا۔

”کیا چھوٹ ہو گیا۔“ روشن نے حیرت سے پوچھا۔

”اپنے خزانے کا کار اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ کروڑوں کی تعداد میں سہرے سکے اس کے پاس تھے۔“ نیرنگ نے کہا۔ وہ دونوں نشیب میں اتر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ان پانچوں مردہ جھسوں کے قریب پہنچ گئے۔

پھر انہوں نے دو گھوڑے پکڑے اور بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔ بستی کی زیادہ تر عمارتیں مسمار ہو گئی تھیں اور ہوشک کی قیام گاہ تو اب ایک کندھڑ کا منظر پیش کر رہی تھی۔ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر کچھ لوگ اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے اور روشن نے انہیں نشانہ شروع کیا کہ ہوشک نے کس طرح زیارت گاہ کے بنے عابد کی بدعائیں لی تھیں اور اس حال کو پہنچا تھا۔ پھر روشن نے تانیا کو تلاش کیا

تھا لیکن وہ نہیں ملی تھی۔ اس کے بارے میں کوئی کچھ بتا سکا تھا۔ روشن نے زیارت گاہ کی طرف سے نیرنگ کے انتظامی امور سوچتے ہوئے بستی کے لوگوں کو بتایا کہ نیرنگ وہاں کے حالات کے مطابق کسی ایسے آدمی کا کر کے سرداری سے دستبردار ہو جائیں گے۔

اور پھر جب روشن اس بستی سے واپس ہوئے نیرنگ نے اسے روکنے کی کوشش کی اور بولا۔ ”کیا وہ خزانہ بھی نہیں تلاش کرو گے سردار!“

”نہیں! میں صرف رب عظیم کی نصرت کے تھا۔ مجھے اس کے خزانے سے کوئی سروکار نہیں۔“

روشن کا تیز رفتار گھوڑا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

## ساڑھے پانچ بجے

اسٹار کا کرائمر پور پور انور اپنی میز پر تہہ نہیں تھا۔ وہ بھی تھے اس کے ساتھ۔ وہ دونوں اسے باہر فٹ پا لے تھے۔ علیک سلک ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے اسے ہاتھ تھاکا وہ ان کے ساتھ کافی پے اور اور سوچتا ہی رہ گیا تھا۔ دونوں کون ہیں۔ کب کی شناسائی ہے۔ اور ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ نہ ان کے نام یاد آ سکے اور نہ یادداشتیں سطح پر شناسائی ہی کی کوئی لہر پیدا ہو سکی۔

لیکن وہ اسے کینے میں مصحح لائے تھے اور وہ چلا آ رہے تھے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں۔

ان میں ایک اوجیز عمر کا آدمی تھا اور دوسرا جوان۔ اسے اس کی شانہ دار پور نیرنگ کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ پھر پور نیرنگ کا فن زیر بحث آیا تھا۔ مغرب کے کرائمر پور پور نیرنگ کے حوالے دیے گئے تھے۔ اور زیادہ اوجیز عمر آدمی نے کی تھی۔

انور بھی اسی طرح پیش آرہا تھا جیسے وہ اس کے لئے نہ ہوں۔ لہذا پھر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ ان کے معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ خاصا وقت گزارنے کے اوجیز عمر آدمی نے ویٹر کو بلا کر بل طلب کیا تھا اور ان کے

کے انور سے بولا تھا۔ ”مسٹر انور میں نے آپ کا پورا ایک گھنٹہ سامع کر دیا۔ ہم پانچ بجے ملے تھے۔ اور اب چھ بج رہے ہیں کبھی ہماری طرف بھی آئیے۔ یہ رہا میرا پتہ۔“

اور پھر اس نے اپنا وزینگ کارڈ نکال کر انور کو ہاتھ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں اسے مختصر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

اور اب وہ تہہ دار اس وزینگ کارڈ کو گھورے جارہا تھا۔ واقعی اجنبی تھا انور کے لئے، یوں تو کارڈ پر نظر پڑتے ہی وہ اس کی شخصیت سے آگاہ ہو گیا تھا لیکن پہلے بھی ملاقات بھی ہوئی ہو۔ ناممکن!

انور اس کا نام ضرور سن رہا تھا۔ صورت آشنا نہیں تھی۔ پھر ایک ملاقات کا مقصد؟

دیر تک اسی اوجیز بن میں رہا تھا پھر کینے سے اٹھ گیا تھا۔ فلیٹ تک پہنچتے پہنچتے اس ولے کی اہمیت دوسرے ذہنی مادیوں کے گرداب میں پڑ کر غرق ہو گئی تھی اور یہ روزانہ اس کے اچھاوے تھے۔ کچھ شام رشیدہ سے زبردست لگ ہوئی تھی۔ اتنی زبردست کہ آج اس نے آفس میں بھی غلط نہیں دی تھی۔ اس کے برخلاف ان لوگوں سے جس کی کمرنگتو کرتی رہی تھی جن کی طرف وہ رجحان بھی نہیں کرتا تھا۔ مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ انور مزید تاؤ دلانے لیکن وہ نہ صرف پرسکون رہا تھا بلکہ بالکل اسی ہو جانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ ویسے بھی زندگی کی رات کچھ کم ہی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ صبح ناشتہ نہیں کرتا تھا۔ وجہ ظاہر تھی۔ رشیدہ نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ یہ معمولات میں سے تھا کہ وہ خود اگر اسے اپنے فلیٹ لے جاتی تھی اور ناشتہ وہیں ہوتا تھا۔ دوپہر کا کھانا دفتر سے لایا ہوا ٹول میں کھاتے اور رات کا کھانا کبھی کسی ہوٹل اور کبھی گھر کے ساتھ۔

رشیدہ کا فلیٹ منتقل نظر آیا تھا۔ وہ کسی ضدی بچے کے ہاتھ میں گردن آڑے ہوئے اپنے فلیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فلیٹ میں پہنچ کر لباس بھی تبدیل نہیں کر پاتا تھا کہ فون آتی۔ ہونٹ سکڑ کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔

دوسری طرف سے اس کے اخبر کے ایڈیٹر کی آواز آ رہی تھی۔ ڈائریکٹر اسکو آڑ میں ایک قتل ہو گیا ہے۔ بلاک نمبر ۱۰۰ میں رہو فلیٹ میں!“

”میں آف ڈیوٹی ہوں۔“

”اس کے باوجود مجھ تہہ دار اپنا ضروری ہے۔ معاملہ پیچیدہ ہے۔ شہر کی ایک مہر عورت۔۔۔!“

”قتل کر دی گئی؟“ انور نے طویل سانس لے کر پوچھا۔

”شاہینہ سلطانہ۔۔۔!“

”کیا؟“ انور چونک پڑا۔ ”رضی سلطان کی بیوی تو نہیں۔۔۔۔۔“

”وہی۔۔۔۔۔ وہی۔۔۔۔۔“

”ڈائریکٹر اسکو آڑے کی فلیٹ میں اس کا کیا کام؟ وہ لوگ تو ہائی سرکل ایجنٹس میں رہتے ہیں۔“

”کبھی پیچیدگی ہے۔ ڈسپلن کا کہنا ہے کہ وہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔“

”قتل کب ہوا۔۔۔۔۔“

”برابر کے فلیٹ والے نے ساڑھے پانچ بجے فائری آواز سنی تھی۔“

”اچھی بات ہے۔ ہمارا ہوں۔“ انور نے تیزی سے اپنی گھوڑی پر سہلاتے ہوئے کہا۔

ریسیور رکھ کر اس روٹ کی جیب سے وہی وزینگ کارڈ نکالا جو کچھ دیر پہلے کیسٹری میں اسے دیا گیا تھا۔ کارڈ پر واضح حروف میں ”رضی سلطان“ چھپا ہوا تھا۔ رضی سلطان۔۔۔۔۔ اس نے طویل سانس لے کر رضی سلطان جس نے پانچ بجے سے کچھ بجے تک اس کے ساتھ گزارا تھا۔ وہ شوہر تھا قتل کر دی جانے کی عورت شاہینہ کا۔ تو یہ چکر تھا۔ اس لئے اس نے وہ ایک گھنٹہ اس کے ساتھ گزارا تھا۔

ڈائریکٹر اسکو آڑے کی فلیٹ میں چندہ منٹ صرف ہوئے یہاں پولیس موجود تھی۔ اور اپنا کارڈ دکھاتا ہوا جانے واردات تک پہنچ گیا۔

محکمہ سرانفرسائی کے انکسٹر ملک نے اسے دیکھ کر سر کو جنبش دی تھی اور تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

”انکسٹر ملک سے اس تعلقات ایسے تھے اور کبھی کبھی وہ خود ہی اسے فون کر کے مہاردارات پر بلایا کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کے اس رویے میں انکسٹر آصف سے اس کی تاجپاتی کو بھی دخل رہا ہو۔“

”میں نے ہی تہہ دار ایڈیٹر کو اطلاع دی تھی۔“ اس



نے کہا۔

”میں ہمیشہ تمہارے لئے مولا فراہم کرتا رہا ہوں۔“

”شکر ہے! انور اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”تمہارے شاہان شان کہانی بن سکے گی۔ اگر کوشش کرو؟“

”کوشش! انور نے حیرت سے کہا۔“ افسانہ بگڑ نہیں

رہو۔“

”پورے ملک صاحب“

”لاش دیکھو گے؟“

”ضرور۔۔۔۔۔“

لاش کے سلسلے میں کوئی بھی پیچیدگی سامنے نہ آ سکی۔

گولی پیشانی پر لگی تھی۔ فرش پر جگہ جگہ خون کے دھبے تھے۔

ایسا لگتا تھا جیسے گولی لگنے کے بعد خامی دیر تک فرش پر تڑپتی

رہی ہو۔ صحت مند اور جوان ۴ رات تھی۔ خوبصورت بھی

تھی۔

آگہ قتل موقعہ واردات پر نہیں ملا تھا۔ کمرے میں کسی

شہر کی باتری بھی نہ ملی۔ سنگھار میز پر آرائش کی ساری چیزیں

سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔

”بڑا بڑا والے فلیٹ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے

فائر کی آواز ٹھیک ساڑھے پانچ بجے سنی تھی۔“ انسپکٹر ملک نے

کہا۔

”لو انہوں نے فائر کی آواز سن کر گھڑی دیکھنا ضروری

سمجھا تھا۔“

”نہیں یہ بات نہیں۔ گھر کے کسی فرد کو ٹھیک ساڑھے

پانچ بجے گھر سے باہر جانا تھا۔ اس لئے وہ دیر سے بار بار گھڑی

دیکھتا رہا تھا۔“

”لاش کس وقت دریافت ہوئی؟“

”فائر کے بعد ہی انہوں نے چینی بھی سنی تھیں۔ فلیٹ

کا دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔ وہ اندر پہنچتے تھے اور انہوں

نے شاہینہ کو ترپتے دیکھا تھا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ

کرتے۔ وہ ختم ہو گئی۔

”تو گویا قاتل ان کے پیچھے سے پہلے ہی فرار ہو گیا تھا۔“

”ظاہر ہے۔“

”فائر کی آواز اور ان کے وہاں پہنچنے کے درمیان کتنا وقفہ

متعین کیا ہے آپ نے۔۔۔۔۔؟“

”زیادہ سے زیادہ ایک منٹ۔“

”اور ایک منٹ میں قاتل اتنی کامیابی سے فرار

”کی تو حیرت انگیز ہے۔“

”اس کے شوہر کو اطلاع ہوئی یا نہیں؟“

”ہاں نہیں، وہ کہاں ہو؟“

”کیا پڑوسیوں کے بیان کے مطابق یہ رشتی

کی بیوی ہے۔“

”وہ یہی کہتے ہیں کہ رضی سلطان سے تعلقات

ہونے کے بعد وہ یہیں مقیم تھی۔ دن بھر باہر رفتی

رات گئے واپس آتی تھی۔“

”تجربہ۔۔۔۔۔!“

”ہاں، وہ یہی کہتے ہیں کہ کبھی کوئی مرد اس کے

نہیں دیکھا گیا۔“

”حالانکہ ٹیک نام عورت نہیں تھی!“ انور نے

آگھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور اس وجہ سے ازدواجی تعلقات بہتر نہیں

”یعنی طلاق کے بغیر علیحدگی ہوئی تھی۔“

”میں بھی تک کی پوچھ گچھ کا حاصل یہی ہے۔“

نے کہا۔

”اگر اجازت ہو تو میں بھی پڑوسیوں سے

کروں۔“

”ضرور۔ ضرور۔“

☆

انور کے اپنے ذرائع تھے جن کی بنا پر آدھے

اندروں میں اس نے معلوم کر لیا تھا کہ رضی سلطان اس

موجود ہے۔

پھر وہ مانی سرکل ہاٹ کلب جا پہنچا تھا۔ رضی

میز پر تھا تھا۔ شاید رات کے کھانے کے بعد کئی لڑکیاں

انور کو قریب دیکھ کر بری طرح چونکا کر

چہرے پر ایسے تاثرات نظر آئے جیسے خفت کی

ہو۔

انور کرسی کھینچ کر اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

”کافی منگواؤں مسٹر انور۔“ وہ جلدی سے

کہنا کھائیں گے۔“

”کچھ بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ شاید اسی

اطلاع نہیں ملی۔ حالانکہ یہ ساڑھے پانچ بجے کا

الانکا ہے۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں

دیکھ سکتا۔“

”کیا یہی سب کچھ ہے؟“

”نہیں، میں اس کی شکل نہیں



شاہینہ ہی کی ہے۔" انور نے سوال کیا۔

"نہیں مسٹر انور۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خط کے ملنے پر میں ڈوگمگیا تھا۔"

"جب تو آپ کو پولیس سے ضرور رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔"

"اگر میں اس ذلیل عورت کی زندگی چاہتا ہوتا تو ضرور کرتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ حقیقت ہوتی یا نہ ہوتی۔"

"یعنی آپ چاہتے تھے کہ کوئی اسے اس طرح ختم کر دے کہ نہ آپ پر الزام آئے اور نہ آپ کے ہاتھ آلودہ ہوں۔"

"آپ نے میرے خیال کی پوری پوری ترجمانی کی ہے مسٹر انور۔"

"اور اب میں اس بات کی شہادت دوں گا کہ آپ نے ایک گھنٹہ میرے ساتھ گزارا تھا۔ جس کے دوران میں وہ قتل ہوئی؟"

"یہ غلط تو نہیں ہے مسٹر انور؟"

"میں کب کہتا ہوں کہ غلط ہے، لیکن آپ بہر حال اس کی موت کے خواہاں تھے۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔"

"تانون اسے بھی نظر انداز نہیں کرے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"خدا جانے..... میں اس کی موت کا خواہاں تھا لیکن میں نے اسے قتل نہیں کیا۔"

"درست۔ فائر کی آواز ساڑھے پانچ بجے سنی گئی تھی اور اس وقت آپ میرے ساتھ کافی پی رہے تھے۔"

"قتل میں میرا ہاتھ بھی نہیں ہے مسٹر انور۔ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ میں کوئی قاتل مقرر کر کے آپ کے ساتھ کافی پی بیٹھ گیا تھا۔ قتل کی سازش کا الزام بھی مجھ پر نہیں آسکتا۔"

"میں سمجھتا ہوں آپ کی بات..... لیکن رضی صاحب! ایک بہت بڑا سوال یہ نشان پھر میرے ذہن میں ابھر رہا ہے۔"

"ہاں..... کیسے۔"

"آپ مقتولہ سے بیزار تھے؟"

"اس حد تک کہ واقعی قتل کر دینے کو دل چاہتا تھا۔"

"پھر کیا وجہ تھی کہ آپ نے اسے طلاق دے دی۔"

"مائنس کی بات ہے!" رضی سلطان سر ہلا کر جواب دیا۔

"لیکن شاید آپ اس ہسٹری کی اور میری ایک واقف نہیں ہیں۔ اگر طلاق کی تحریک میری طرف تو میں بالکل کنگال ہو جاؤں۔"

"کیا ساری جائیداد مقتولہ کے نام تھی؟"

"نہیں یہ ایک جاہل و صیت کی بناء پر ہوتا۔ آپ سے کمال کر بات کرنی چاہئے۔ میں کچھ بھی نہیں

گا۔ ہو سکتا ہے آپ کی طرح پولیس بھی کچھ دیر بعد جانے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لہذا جلدی کیجئے۔"

"وہ میرے باپ کی ایک ایسی محبوبہ کی بیٹی تھی، جس کے والد میرے باپ کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے والد

آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ دو تین سال بعد اس کا شوہر شکار ہو کر مر گیا۔ اس سے ایک بچی تھی..... یہی شاہینہ

میرے باپ سے اس کی ماں نے نکاح کیا اس وقت شاہینہ تین سال تھی، اور میں دس سال کا تھا۔ میری ماں کا انتقال

میری صغر ہی میں ہو گیا تھا۔ کوئی دو سال کا ہوا ہوں۔ حال شاہینہ کی ماں بھی زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہی۔

شاہینہ تین سال بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر میرے

نے تیسری شادی نہیں کی تھی۔ میری شادی شاہینہ کے وقت انہوں نے ایک وصیت نامہ مرتب کیا تھا جس کی

اگر کبھی کسی وجہ سے میں اسے طلاق دینا چاہتا تو ساری شاہینہ کی طرف منتقل ہو جاتی۔ اگر شاہینہ خود طلاق

کرتی تو طلاق ہونے کی صورت میں صرف چھ سال کا حق حقدار ہوتی۔ یہ ظلم کیا تھا میرے باپ نے مجھ پر

شادی مجھے کرنی پڑی تھی۔ اور اس وقت تک شاہینہ رو کی کاشکار بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو بہت بعد میں

کا تھا جیر نکالے اور میرا دل اس کی طرف سے پھرنے لگا۔ وہ خاموش ہو کر دوسرا سگریٹ سلاکتا تھا۔

نے بھی اپنا پکٹ نکالا اور سگریٹ سلاکتا تھا۔ وقت اس

نی بات معلوم ہوئی ہے کہ اس نے کوئی بیٹھا۔ "لیکن آپ نے اس دھمکی پر کیسے یقین کر لیا کہ وہ

ساڑھے پانچ بجے قتل کر دی جائے گی۔"

"بس اسے احتیاط کہہ دیجئے مسٹر انور۔ یقین نہیں تھا

کہ وہ اس سے سن رہا تھا۔ اس نے صرف سر کو جنبش کی۔"

"کیا آپ نے اس واقعے کے بارے میں کسی اور کو بھی کچھ بتایا ہے؟"

"اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مسٹر انور۔"

"وہ دوسرے صاحب کون تھے آپ کے ساتھ؟"

"ایک انٹرنیٹ انسٹور۔"

"تو گویا وہ بھی شہادت دے گا کہ آپ نے وہ وقت میرے ساتھ گزارا تھا۔"

"یقیناً مسٹر انور..... اور کیفے جفری کے وہ سارے دیگر بھی جو پیچھے بچتے ہیں....."

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"لیکن سب سے زیادہ اہمیت آپ جیسے کسی شاہد کی ہوگی۔"

"پولیس والے مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عدلیہ، انتظامیہ کے دباؤ میں نہیں ہے۔"

"پولیس کو آپ کیا بتائیں گے۔"

"یہی سب کچھ جو آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"کوئی نکتہ بھی نہ رہنے پائے۔"

"ایسا ہی ہو گا مسٹر انور۔"

"اور وہ دونوں خطوط بھی پولیس کے حوالے کر دیجئے

گا۔"

"وہ تو کہنے ہی پڑیں گے۔ اگر ان کا ذکر آگیا۔"

"ان کا ذکر ضروری ہے۔"

"بہت بہتر۔"

"ایک بار پھر یادداشت پر زور دیجئے کہ وہ صرف ایک

ہفتہ غائب رہی تھی۔ اور اس سے قبل ساری راتیں گھر پر

گزارتی رہی تھی۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے مسٹر انور کہ اس ایک ہفتے کے

علاوہ وہ کبھی رات گھر سے غائب نہیں رہی۔"

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر اس

191

www.urdufans.com



سلسلے میں عدالت سے طلبی ہوئی تو کو تباہی نہ کروں گا۔  
”شکر یہ مسٹر انور۔ آپ کی وجہ سے بڑی ڈھارس رہے گی۔“

”ایک بات اور..... کیا آپ مقتول کے کسی ایسے دوست کی نشان دہی کر سکیں گے جس سے ماضی قریب ہی میں تعلقات ہوتے ہوں۔“

”مائی ڈیئر مسٹر انور..... میں کبھی اس کی ٹوہ میں نہیں رہا..... بس وہ میرے جسم پر ایک دکتے ہوئے اوندھے پھوڑے کی طرح رہی ہے۔“

انور اس سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

☆

انسپکٹر ملک نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ انور محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن شاید مناسب الفاظ نہیں مل رہے۔

”میں سمجھ گیا انسپکٹر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ بالآخر انور ہی بولا۔

”کیا سمجھ گئے؟“

”شاید آپ شکوہ کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے آپ کو رضی سلطان کے بارے میں موقعہ واردات پر کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”واقعی تم بہت ذہین ہو۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔

”دراصل میں اس معاملے کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔“

”ہوں! میرا بھی یہی خیال تھا۔ بہر حال اس نے بہت کھل کر گفتگو کی ہے۔ یہ تک بتادیا کہ کس مقصد کے تحت اس نے تمہارا ایک گھنٹہ ضائع کر لیا تھا۔“

”اگر آپ اس کا پورا بیان دہرا سکیں تو بہتر ہوگا۔“ انور نے کہا۔ ”میں دیکھوں گا کہ مجھ سے جس قسم کی باتیں کی تھیں ان میں اختلاف تو نہیں ہے۔“

انسپکٹر ملک نے رضی سلطان کی کہانی شروع کر دی اور انور کی پینڈ پر چلتی رہی تھی۔

انسپکٹر کے خاموش ہونے پر بولا۔ ”کوئی فرق نہیں ہے۔“

”اور وہ ٹائپ رائٹر بھی مل گیا ہے۔ جس سے دونوں خطوط ٹائپ کئے گئے تھے۔“

”اور ضرور۔“

”لایٹ کا ایک ایک گوشہ دیکھنا پھر رہا تھا۔“

”اس نے کہا۔“ اپنے کسی عاشق کو مل کر اس نے یہ سازش کی ہو۔ اور وہ کوئی ایسا ہی ہو جو اس کے ہر جانی پن سے تنگ آ گیا ہو۔ پھر اسی بار ڈالال اس تو قبح پر کہ الزام رضی کے سر آئے گا۔

”لیکن تاحیات وہ کسی اجنبی کو اتنے قریب آنے دیتی کہ وہ اس کے فاصلے سے اس پر فائز کر سکتا۔ اس سے پہلے ہی اس کو دیتی تھیں یاد ہوگا کہ پڑوسیوں نے فائز کے کسی منی نہیں۔ پہلے نہیں۔“

”اسی کسی عورت کے امکان پر غور کر رہا ہوں۔“ انور نے بے چارے میں کہا۔

”کی کہ قاتلہ!“

”لی ہاں! عشقاریہ دوپانچ کے پستول عموماً عورتیں ہی لے لیتی ہیں۔ اور پھر آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ پڑوسیوں کو اس پر ہمارے اس کی موجودگی کا ذکر کیا تھا۔ خصوصیت اس کا حوالہ دیا تھا۔ یعنی وہ راتیں قلیٹ ہی میں گزارتی تھی۔ رضی اور اس کے ملازمین اس سلسلے میں جھوٹ بول رہے تھے۔ یہاں کے پڑوسیوں کو کیا پڑی ہے کہ جھوٹا بیان دے۔“

”یہی ٹھیک ہے؟“

”اس پر ہاں کہ عرصے میں ہر رات یہ قلیٹ آباد رہا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی مرد یا عورت نہیں دیکھا گیا۔“

”یہ عورت کے بارے میں تو ہم نے پوچھا ہی نہیں۔“ انور نے کہا۔ ”کیا تم نے ایسا کوئی سوال کیا تھا پڑوسیوں سے۔“

”اس اتفاق سے میں نے بھی نہیں پوچھا۔“

”ایک منٹ..... ملک ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اگر اس کے امکان پر غور کر رہے ہو تو وہ اس کے کسی عاشق کی بیوی ہو سکتی ہے۔ تاک میں رہی ہو وار کر لیا۔“

”فٹ کے فاصلے سے.....؟“ انور نے سوال کیا۔

”مسلک ہے اس نے پہلے شاہینہ سے تعلقات استوار کئے۔ اس کے ساتھ ہی قلیٹ میں داخل ہوئی ہو۔“

”میں نہیں کہا جاسکتا۔ پہلے ہمیں اس سے پہلو سے پوچھنا چاہیے۔“ انور نے کہا۔

پھر اس نے دوبارہ پڑوسیوں سے پوچھ کچھ شروع کی تھی لیکن کوئی بھی یقین کے ساتھ نہ کہہ سکا کہ اس نے کسی عورت کو وہاں آتے جاتے دیکھا ہو۔ صرف شاہینہ ہی قلیٹ میں دیکھتی جاتی تھی۔ اور پھر کسی کی خصوصی توجہ بھی نہیں تھی اس کی طرف۔ وہ خود ہی کبھی بھی کسی پڑوسی سے گفتگو کر لیتی تھی۔

بہر حال نئے سرے سے چھان بین کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا..... لیکن کیس کے سلسلے میں زاویہ نظر ضرور بدل گیا تھا۔ یعنی وہ قاتل نہیں تھا۔ بلکہ قاتلہ تھی۔

☆

”قاتلہ۔“ وہ رشیدہ کو گھورتے ہوئے غرایا۔

”مت بکواس کرو۔ ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو چکے ہیں۔“

”اس کے باوجود بھی تمہیں ایسی کسی عورت کا پتہ لگانا ہے جو شاہینہ کو قتل کر دے گا جواز رکھتی ہو۔“

”اس سے پہلے تو میں تمہیں ہی کیوں نہ قتل کر دوں۔“ وہ دانت چیس کر بولی۔

”سزا دے بائیس روپیوں کے لئے؟“ انور نے پوچھا۔

”کیسے سزا دے بائیس روپے۔“

”وہی جو میں نے ابھی تک ادا نہیں کئے۔“

”مجھے پتا نہیں۔“

”اب تم مجھے شوق سے قتل کر سکتی ہو۔“ انور اس طرح آنکھیں بند کر کے بولا جیسے رشیدہ کے ہاتھوں قتل ہو جانے کے تصور سے لذت اندوز ہو رہا ہو۔

”تم جھگڑے کی وجہ سے میری توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”مجھے پتا ہی نہیں جھگڑے کی وجہ۔“

”تمہارے کہے بغیر تمہارے لئے سگریٹ لائی تھی اور تم نے مجھے جھڑک دیا تھا۔“

”واقعی بہت برا کیا تھا میں نے۔ سخت تالاق واقع ہوا ہوں۔“

”تمہاری شکل دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔“

”شکل دیکھنے بغیر بھی میرے کام آسکتی ہو۔“

”میں ایک ایسی عورت کو چاہتی ہوں جو شاہینہ کو قتل کر سکتی ہے۔“



”آٹھ گھنٹیں بند کر کے بتادو۔ تمہارے الفاظ میرے کانوں تک پہنچ جائیں گے اور میری شکل بھی تمہیں نظر نہیں آئے گی۔“

”نہیں بتاؤں گی۔“  
”رشیدہ کی بیٹی۔“  
”بدتمیزی نہیں۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ خود بھی اس کے فلیٹ میں آیا تھا۔ رشیدہ نے تو کئی دن سے اس کے فلیٹ میں قدم نہیں رکھا تھا۔ دروازے کے قریب جاکر مڑا اور بولا۔ ”میں بھی ایک ایسی عورت کو جانتا ہوں جس سے شاہینہ کی قاتلہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم کر لیں گے۔“

”سیکریم ریاض۔“ رشیدہ بولی۔  
”تم سے زیادہ خوبصورت اور اساتذہ بھی ہے۔“  
”اگر تم نے اس کی طرف رخ بھی کیا تو گولی مار دوں گی۔“ رشیدہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔  
”کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا۔“  
”اسے نہیں..... تمہیں گولی مار دوں گی۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“ انور دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

”ظہر! وہ تمہیں اس عورت کے بارے میں نہیں بتا سکے گی۔ کیونکہ وہ اس کے حلقے کی عورت نہیں ہے۔“  
”کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہیں اپنے قدموں پر گرا کر کہوں؟“

”جس عورت کی بات میں کر رہی ہوں وہ تم سے بات بھی نہیں کرے گی۔“  
”تم سے کر لے گی۔“

”ہاں۔ میں اسے زبان کھولنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔“  
”لیکن میرا تم سے جھگڑا ہو چکا ہے۔“  
”اگر تم معافی مانگ لو تو۔“

انور آگے بڑھتا چلا گیا لیکن رشیدہ نے چیخا نہیں چھوڑا تھا۔ نیچے پہنچ کر اسکو ٹراٹراٹ ہی کر ہاتھ کر رشیدہ جیسے بیٹھ گئی۔ انور ایسا بنا رہا جیسے خبر ہی نہ ہوئی ہو۔

اسکو فرح حرکت میں آیا تھا اور رشیدہ بولی تھی۔ ”موڈل ناؤں۔“  
”کچھ دیر بعد اس نے کہا۔“ ”موڈل ناؤں کے کیفے روزینہ

کی طرف۔“

کیا وہ عورت وہیں ملے گی۔“

”نہیں..... پہلے کچھ ضروری باتیں۔“

انور کچھ نہ بولا۔ اور پھر اس نے اسکو فرح کے قریب روکا تھا۔ دونوں اندر آئے اور ایک میز پر بیٹھ گئے۔

”ہوں! کیا بات ہے۔“ انور نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

”پہلے کافی۔ یہاں بیٹھنے کا جواز تو ہوتا ہی ہے۔“  
”جولہ کے لئے میری جیب خالی ہے۔“  
”صدا کے نقشے بھوکے ہو، کوئی نئی بات تمہیں

نے کہا اور اشارے سے دیگر کویا کر آرڈر نہیں کر کے کے چلے جانے پر انور سے بولی۔ ”آج سے آٹھ ماہ میرین انجینئر کار کے حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ کم لوگوں کو اس حادثے کا سبب معلوم ہے۔“

”کس میرین انجینئر کی بات کر رہی ہو؟“  
”باصط رشید نام تھا۔ خوبصورت تندرست اور

توجوان تھا۔ شاہینہ کے چکر میں پڑ گیا۔ کچھ دن تک اس میں دلچسپی لی تھی پھر آگ لگی تھی۔ ایک رات کلب میں نے اسے خوب پلائی۔ اور کچھ اس قسم کی باتیں کہیں

میں آکر بولا کہ وہ اس حالت میں بھی کارڈ ایج کے شاہینہ نے اس کا منہ کھلوا دیا۔ تو بے گناہ تھا کہ وہ مختلف قانون کی حوالات میں تلاش کرے گی۔ اس پر

پولیس والوں کو گالیاں دی تھیں اور اپنی کار پارکنگ سے نکال لیا تھا۔ دو تین لوگ اور بھی وہاں موجود تھے۔ اسے کارڈ ایجنٹ سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔

نہیں مانا تھا اور پھر ایک ہی گھنٹے بعد کلب میں خبر پڑی کہ حادثے کا شکار ہو کر جانے حادثہ پر ہی ختم ہو گیا۔ اس شہر زلہ قریب ایک ماہ تک پگل رہی تھی اور اس عام

زبان سے صرف ایک ہی جملہ نکلتا تھا۔ ”میں شاہینہ کی زبان سے۔“ اب وہ نارمل ہے۔ لیکن بہت زیادہ پر سرور ہے۔“

انور خاموشی سے سن رہا تھا۔ بات ختم ہونے پر رشیدہ یقیناً حادثے کا شکار ہوا تھا لیکن یہ کہانی میرے

نئی ہے۔ تم نے کس سے سنی تھی۔“

”شہر زلہ کے ایک فریبی دوست سے۔“

”ویر کافی لے آیا تھا۔ انور تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اگر فرض کیا جائے کہ شہر زلہ کو بالآخر اسے قتل کر دینے کا موقع مل گیا تو اس ٹھیک ہی وقت کیوں ہو جس کا حوالہ دینی کو ملنے والے میں موجود تھا۔ کیا یہ کسی طرح ممکن ہے کہ شاہینہ اور شہر زلہ اس قدر قریب آگئی ہوں کہ مل کر سازش کر سکیں۔“

”کیسی سازش؟“  
”رضی سے دو لاکھ اٹھنے کی سازش!“  
”اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نے تو

اب تک شہر زلہ کو دیکھا ہی نہیں اس کی ایک سبکی سے اس کی کہانی سنی تھی۔“  
”اس کیس میں بنیادی نکتہ، موت کے وقت کا تعین

ہو سکتا ہے وہ خود اس سازش میں شریک نہ رہی ہو لیکن اس طرح اسے علم ہو گیا ہو کہ شاہینہ اپنے شوہر کو اس قسم کے مسموم سمجھ رہی ہے۔ بس پھر اس نے موقع سے فائدہ اٹھالیا۔“

”چلو دیکھتے ہیں۔“ انور سر ہلا کر بولا۔  
”وہ کافی لی چکے تھے۔ رشیدہ نے مل کی رقم کی ادائیگی کی اور پانچ یا چھ منٹ بعد وہ اس عمارت کے سامنے کھڑے تھے

جس کے ایک فلیٹ میں شہر زلہ اور بتی تھی۔  
”اس سے ذاتی طور پر تم واقف ہو اور نہ میں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”پھر کیا صورت ہو گی۔“

”فکر نہ کرو۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے اس کی کہانی سن لی ہے۔ چلو۔“  
”پھر وہ اس کے فلیٹ کے سامنے جا کر تھے۔ گراؤنڈ فلور

پر ہی رہتی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر کال بیل کا بزن دیا۔  
”خاصی دیر بعد اندر سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ دو وحشت زدہ سی آنکھیں انہیں گھور رہی

تھیں۔“  
”محترمہ شہر زلہ!“ انور نے بڑے ادب سے کہا۔  
”کیا بات ہے؟“ ”پوچھا گیا۔“

”کیا آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دیں گی۔“  
”کس لئے؟“  
”ہمیں رشیدہ قمر علی نے بھیجا ہے۔“ رشیدہ جلدی سے

”اوہ..... اچھا..... ایک منٹ انتظار کیجئے۔“ اس نے کہا اور دروازہ بند کر کے واپس چلی گئی۔

انور نے پر معنی انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھا۔ اس نے کانٹے اچکائے لیکن انور کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ جلد ہی شہر زلہ واپس آئی اور دروازہ کھول کر اندر آنے کی دعوت دی۔

دلآویز خدوخال اور مناسب جسم والی جوان سال عورت تھی۔ البتہ آنکھوں میں عجیب سی بے چینی کا عالم نظر آرہا تھا۔ وہ انہیں سنگ روم میں لائی اور بیٹھنے کو کہا پھر بہت تن سوال بن کر انہیں دیکھنے لگی۔

”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں محترمہ! میرا نام انور ہے اور اسٹار کا کرنامہ پور تر ہوں۔“  
”شہر زلہ کی آنکھوں سے جھانکنے والی بے چینی میں کچھ اور

اضافہ ہو گیا۔ اور وہ غیر ارادی طور پر مڑ کر اپنے عقب میں دیکھنے لگی۔ پھر منظر بانہ انداز میں ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”در اصل میں پچھلے سال کے ٹریفک حادثات کی ایک رپورٹ مرتب کر رہا ہوں۔“ انور نے کہا۔  
”اچھا! اچھا!“ وہ سر ہلا کر بولی۔ ”لیکن مجھے افسوس ہے

کہ میں ماضی کو نہیں کر دیتا چاہتی! آپ میرے شوہر والے حادثے سے متعلق بات چیت کریں گے۔“  
”جی ہاں!“

”میں معافی چاہتی ہوں۔“ اس نے پھر مڑ کر دیکھا۔  
”ایک مسئلہ اور بھی ہے۔“  
”میں معافی چاہتی ہوں۔“

رشیدہ کی نظر میں اس دروازے پر جم کر رہ گئیں۔ جس کی طرف شہر زلہ نے دوبار عجیب سے انداز میں دیکھا تھا۔

”صرف ایک بات محترمہ..... کیا یہ صحیح ہے کہ شاہینہ سلطان نے انہیں نئے کی حالت میں ڈرائیونگ کی ترغیب دی تھی۔“

”مم..... میں نہیں..... سمجھ سکتی کہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔“ وہ کھائی۔  
”شاہینہ سلطان کی بات کر رہا ہوں۔“  
”کک..... کون شاہینہ سلطان؟“  
”اچانک رشیدہ نے اس پر چھانگ لگائی اور اسے ساتھ لیتی



ہوئی فرش پر چلی آئی۔ شہر زاوی کی چٹ نکل گئی۔ سلسلے والے شو  
کس پر رکھا ہوا اکلہ ان چور چور ہو گیا۔ شیشوں کی چھینچھناہٹ  
سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔ انور دروازے کی طرف ہجرت۔ لیکن وہ  
دوسری طرف سے بند تھا۔ پھر اس نے باہر کی جانب دوڑ  
لگائی۔ گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ فلیٹ کا عقبی دروازہ کھلا  
ہوا دکھائی دیا۔ باہر دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ وہ عقبی  
دروازے سے فلیٹ میں دوبارہ داخل ہوا اور کمرے تک جا پہنچا  
جس کا دروازہ اس نے سنگ روم کی طرف سے کھولنے کی  
کوشش کی تھی۔

اپنا یک کسی جانب سے انجینئر ملک نمودار ہوا اور  
اسی میز کی طرف چلا آیا۔  
”اچھا تو آپ یہاں تشریف فرما ہیں، مجھے آپ کا  
تلاش تھی۔“ اس نے انور سے کہا۔  
”فرمائیے! میرے لائق کو خدیختہ۔“  
”چارے چھ بجے کہاں تھے؟“  
”مدا ادا پھر رہا تھا۔ رپورٹروں کو تک کر بیٹھنا  
نصیب ہوتا ہے ملک صاحب!“  
”کیا یہ غلط ہے کہ تم چار بجے مائل ٹاؤن میں تھے۔۔۔۔۔“  
”تو تم اس سے واقف ہو کہ وہاں چار اور چھ کے درمیان  
ایک عورت قتل کر دی گئی ہے۔“

”تم لوگوں کو چھٹاپانے لگا۔“ رضی علی علیہ السلام رضی علیہ السلام  
 ”اور چھو کر اپنے لگا۔“  
 ”وہ زندہ ہے اور پوری کہانی سنا چکی ہے، مسٹر رضی!“  
 ”اب کچھ جھوٹ ہے، وہ شاہینہ کو قتل کر دینے کے بعد  
 ملے گی۔ بہت عرصہ سے میرے پیچھے تھی۔ مجھے  
 رضی کی قتل کی اگر میں نے اس سے شادی نہ کی تو وہ کسی نہ  
 کی طرح شاہینہ کے قتل میں مجھے ملوث کر دے گی۔“  
 ”یہ جھوٹا ہے!“ قرب ہی سے ایک نسواری آواز آئی اور  
 اچھل پڑا۔ بایں جابج رہا شہزاد کو کھاروائے کھڑی  
 رضی سلطان نے اچانک میز الٹ دی اور اچھل کر بھاگا۔  
 سے کھلیا۔ وہ چینی اور رضی دوسری میز پر ڈھیر  
 لگا۔

کر دینے کے بعد فرار ہو جانے کی مشق کرے۔۔۔۔۔ بھراہا ایک  
اسی زمانے میں شاہین کو اپنے شوہر سے بڑی رقم انصاف کی  
سوجھی اور اس نے اپنے اغوار اور رقم کے مطالبے کا ڈرامہ کر  
ڈالا۔ رضی اس کے اس پلاٹ سے بخوبی واقف تھا لہذا اسے  
وہی موقع مناسب معلوم ہوا۔  
قتل والے دن اسکیم کے مطابق شہر زلاو کے غلیٹ  
میں دن ہی دو داخل ہوئی تھی اور کہیں چھپ گئی تھی۔ ٹمیک  
ساڑھے پانچ بجے اس نے اسے قتل کر دیا۔ اور موقع زبونیوں سے  
اتر کر فرار ہو گئی۔ چونکہ عرصہ سے اسی کی مشق بہم پہنچانی رہی  
تھی اس لئے کسی کدکانوں کان جرن نہ ہو سکی۔ اور رضی سلطان  
مطہن تھا کہ خصوصیت سے کسی کی توجہ شہر زدگی کی طرف  
متعلق نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ وہ درودوں کے علم میں اس سے  
کبھی نہیں ملا تھا۔

سور کا پی محبوب